© rasailojaraid.com

ائمہ وخطبا کی مشکلات، مسائل اور ذمہ داریاں

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام سیمینار-۲

مولانا عبدالواحد رسول نگری (مدرس مدرسہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ)

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم، امابعد!

انتہائی لائق احترام علماء کرام، ائمہ کرام! آج کی اس مبارک نشست میں بڑے قیمتی بیانات آپ سماعت فرما چکے ہیں۔عنوان ہے ''ائمہ اور خطبا کی ذمہ داریاں اور مشکلات''۔

محترم دوستو! امام اور خطیب کی ذمہ داری سمجھنے سے پہلے ہمیں اس اہم نکتے کی طرف بھی توجہ دینی ہے کہ امام اور خطیب کا تعارف مسجد کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داریاں بھی مسجد کے عنوان سے ہیں۔خود مسجد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں مسجد مسلمانوں کی کن کن ضروریات کو پورا کرسکتی ہے؟ جب مسجد کی وہ حیثیت جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، سامنے آئے گی تو مسجد کی مناسبت سے امام اور خطیب کا بھی تعارف ہے، وہ بھی سامنے آئے گا۔

مسلمانوں کی چار اہم ترین ضروریات ہیں جو مسجد سے پوری ہوتی ہیں۔پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ایک عبادت گاہ چاہیے۔دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ایک درس گاہ چاہیے جہاں سے وہ اپنی روزمرہ زندگی میں علمی طور پر رہنمائی لے سکے۔تیسری چیز یہ یکہ ہر مسلمان کو اپنے کردار، احوال اور قلب کی اصلاح کے لیے کوئی تربیت گاہ چاہیے اور چوتھی چیز مسلمانوں کے پاس ایک ایسا ادارہ ہو جہاں وہ باہم ملاقات کرسکیں، بہت قریب ہو کر ملیں، ایک دوسرے کو دیکھ سکیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھ سکیں، کھڑے ہو سکیں۔یہ چار چیزیں مجموعی طور پر ہماری ضرورت ہیں۔عبادت گاہ کا وجود، درس گاہ، تربیت گاہ، باہمی رابطے اور ملاقات کا ادارہ۔غور کریں تو مسجد کو اللہ پاک نے ان چیزوں کا مرکز بنایا ہے اور مسجد کا امام وخطیب ان چاروں چیزوں کا نگران اور ذمہ دار ہے۔امام وخطیب کی ذمہ داریوں میں سب سے پہلی چیز اس حوالے سے کہ مسجد عبادت گاہ ہے، یہ شامل ہے کہ ہر وقت عبادت کا اہتمام کرے، لوگوں کو عبادت کی ادائیگی میں سہولیات فراہم کرے۔اوقات نماز، اذان وغیرہ امام ان کو اپنی ذمہ داریوں میں لے۔یہ معنی نہیں کہ خود وہ اذانیں دے بلکہ یہ کہ بروقت اذان ہو رہی ہے، جماعت ہو رہی ہے، اس کا دھیان رکھے۔ایسے ہی امام کی ذمہ داریوں میں عبادت کی ادائیگی کے وقت، نمازیوں پر دھیان رکھنا کہ ان کی صفیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درست ہیں،صفوں کے اندر کوئی خلل تو نہیں اور آج کل ایک اور چیز کی طرف توجہ دلانا بھی امام کی ذمہ داریوں میں آ چکا ہے۔ جب کوئی نمازی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے تو تقریباً ہر نمازی کی جیب میں موبائل فون بھی ہوتا ہے۔اس بات کی طرف توجہ دلانی چاہیے کہ فون کو بند کر لیا جائے تاکہ عبادت کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔امام چونکہ عبادت کا نگران بھی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عبادت کی ادائیگی میں نمازیوں کا لحاظ کرے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں تخفیف قراءت کا تذکرہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں، بیمار ہیں،مسافر ہیں،کمزور ہیں،ضعیف ہیں۔امام صرف اپنے ذوق عبادت کو سامنے رکھ کر امامت نہ کرائے۔

یہ تو ذمہ داریاں ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسجد عبادت گاہ ہے۔مسجد کا خطیب جمعہ کی خطابت کے لیے وقت مقررہ کا ضرور لحاظ رکھے۔ ہماری کوتاہیوں میں سے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم جو وقت لوگوں کو بتا دیتے ہیں،اس وقت پر عبادت کا اہتمام نہیں کرتے۔لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں اور ہمارے دل میں بات آتی ہے کہ دو منٹ اور بات کر لیں،شاید لوگوں کے دل میں دین کی اور باتیں بھی آ جائیں۔میرے بھائیو! لوگ وقت مقررہ سے ایک سیکنڈ بھی اوپر ہو جائے تو اس کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

مسجد کا ایک تعارف اس حوالے سے ہے کہ مسجد مسلمانوں کی درس گاہ ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں مسلمانوں کی درس گاہ کا کردار ادا کیا گیا۔آج بھی مسلمانوں کی بنیادی دینی تعلیم کی ضروریات مسجد ہی سے پوری ہو رہی ہیں۔مثلاً ہر مسلم گھرانے کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ان کے بچے کم از کم ناظرہ تو پڑھ سکیں، لہٰذا اسی بنیاد پر مسجد دیہات کی ہو یا شہر کی، کینٹ کی ہو یا ڈیفنس کی، وہاں اس بنیادی ضرورت کا ضرور اہتمام ہوتا ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر روزمرہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں دینی،علمی رہنمائی کی فراہمی بھی مسجد سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص تجارت سے وابستہ ہے تو اس کی تجارت کے مسائل میں رہنمائی،کوئی شخص زراعت سے وابستہ ہے تو اس کی اس میں رہنمائی،کوئی شخص کسب یعنی محنت مزدوری سے وابستہ ہے تو اس کی اس میں رہنمائی، پھر گھریلو احکام ومسائل طلاق، نکاح وغیرہ اور اس کے علاوہ بے شمار مسائل ہیں۔ یہ سارے کے سارے مسائل مسجد کے منبر ومحراب سے پورے ہوں گے۔ بالخصوص آج کے زمانہ میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ جب مسجد منبر ومحراب سے یہ ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تو وہ ٹی وی چینلوں کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں اور ٹی وی چینلوں کے سامنے بیٹھے ہوئے دانش وروں سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے لگے ہیں۔وہ اپنے استخارے، مسائل اور دیگر لغویات کے لیے امام وخطیب کی طرف رجوع کرنے کی بجائے کسی کی اور طرف کر بیٹھے۔ وہ کیوں گئے؟ یہ ایک الگ عنوان ہے۔ان میں ایک کوتاہی میری اور آپ کی ہے کہ ہمارا مطالعہ بہت قلیل ہے۔ہم صحیح طریقے سے ان کی رہنمائی کر ہی نہیں سکتے۔آدمی نے روزہ رکھا ہے تو کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے،نماز پڑھ رہے ہیں تو دوران نماز میں کن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اگر میں اور آپ یہ مسائل بتلا نہیں سکتے تو کم از کم بتلانے والوں کی ضرورت اور اہمیت تو ان کے دلوں میں بٹھا سکتے ہیں کہ بھائی آپ ان شعبوں میں لگے ہیں،اس شعبہ کے مسائل جاننے کے لیے آپ مدرسہ نصرت العلوم چلے جائیں،مظاہر العلوم چلے جائیں، دار العلوم چلے جائیں،کسی مدرسے کی طرف رجوع کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کوتاہی ہماری یہ ہوتی ہے کہ ہمارا رویہ بہت سخت ہوتا ہے۔ ایک نوجوان کے دل میں بہت سے سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں۔ دین کے حوالے سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی زہریلا مواد اس کے دل میں اشکال پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اشکال انتہائی سنگین ہو سکتا ہے۔ اب اگر وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال کو امام کے سامنے عرض کرتا ہے تو فوراً ہماری طرف سے سخت ترین جملہ اس کی طرف جائے گا: تو تو دہریہ ہو رہا ہے، تو تو بد دین ہو رہا ہے۔ اس کو کچھ کہنے دیں، اس کی زبان کی بات دل پر آنے دیجیے۔ وہ آئے گی اور اس کی فکر اس کی سوچ کا اندازہ ہوگا تو ہم اس کی رہنمائی کریں گے۔

ایک اور بات اسی مناسبت سے کہ مسجد درس گاہ ہے اور لوگوں کی علمی رہنمائی کا مؤثر ادارہ ہے، یہ بھی عرض کر دوں کہ ایک امام وخطیب یہ دیکھے کہ میری یہ مسجد آئینی، قانونی اور دستوری طور پر جس مسلک سے وابستہ ہے اور یہاں کے نمازی جس مسجد سے وابستہ ہیں، اگر ان نمازیوں کو اپنے مسلک پر عمل کرتے ہوئے کوئی بات پوچھنے کی نوبت آ جاتی ہے، مثلاً کوئی آدمی کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں چلا گیا اور وہاں کسی نے کوئی بات ذہن میں ڈال دی تو اس کی ٹھیک ٹھاک علمی رہنمائی کی جائے۔ مثال کے طور پر میں حنفی المسلک ہوں۔ میرے نمازی بھی حنفی المسلک ہیں۔ یہاں کوئی دوسرے مسلک کا آدمی آ جائے تو وہ اونچی آواز میں آمین کہہ دیتا ہے اور لوگ اس کو ڈانٹیں تو وہ دو چار حدیثیں سنا دیتا ہے۔ اب لوگ لامحالہ طور پر امام صاحب کی طرف رجوع کریں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے تو امام صاحب کو ایسے میں کم از کم اپنے مسلک کی علمی بنیاد انتہائی مضبوط رکھنی چاہیے اور وہ خود بھی اس کے لیے تیار رہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لائبریری کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔

میرے بھائیو! باتیں تو بہت زیادہ ہیں۔ میں نے دو حیثیتوں کے حوالے سے بات کی ہے۔ ایک تو یہ کہ مسجد عبادت گاہ ہے، میری اس حوالے سے کیا ذمہ داری ہے۔ دوسری مسجد درس گاہ ہے، میری اس حوالے سے کیا ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے اندر یہ شامل ہے کہ لوگ جو مسجد سے علم حاصل کریں گے، اس کے مختلف درجے ہیں۔ ایک درجہ تو یہ ہے کہ باضابطہ وہ درس گاہ کے اندر آ کر پڑھیں۔ یہ بہت محدود درجہ ہے، بہت محدود لوگ آئیں گے۔ ترجمۃ القرآن کی کلاس لگ گئی، بہت لوگ آئے۔ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ علمی معلومات فراہم کرنے کے لیے درس قرآن اور درس حدیث کا انتظام ہونا چاہیے اور پھر اس سے بھی وسیع دائرہ ہے اور وہ جمعۃ المبارک۔ ہماری ترجمہ کلاس میں تھوڑے لوگ ہوں گے، جمعہ میں زیادہ ہوں گے۔ درس سے زیادہ لوگ جمعہ کے موقع پر آئیں گے۔ جمعہ کی نماز میں خطبہ میں ہمارا بیان مضبوط علمی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ کوئی وقت تھا کہ لمبی تقریر کرنے والے شخص کی خطابت کا چرچا اور شہرت ہوتی تھی۔ ساری ساری رات تقریر چلتی تھی۔ آج معیار بدل چکا ہے۔ لوگوں کے پاس مختصر وقت ہے، اس مختصر وقت میں اپنی بات لوگوں کو سنائیں۔ ایک وقت تھا کہ ایک خطیب الفاظ کے انتہائی نادر نمونوں کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ تقریر میں ایک لفظ آ گیا تو دوبارہ نہ آئے۔ لوگ اس کا معنی مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی کتابیں دیکھتے رہیں۔ لیکن آج یہ معیار بدل چکا ہے۔ انتہائی سادہ لب ولہجہ اور لوگوں کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے۔ لفظوں کی بادشاہت وہاں نہ ہو بلکہ جتنے گمراہ لوگ ہیں جنھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، انہوں نے طرز گفتگو انتہائی سادہ رکھا ہے۔ طرز گفتگو خطیب کا انتہائی سادہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری چیز یہ کہ کوئی وقت تھا کہ لوگوں کی معلومات کا مکمل مرکز وہ خطیب کی خطابت ہوتی تھی۔ مولانا صاحب نے جو بیان فرما دیا، وہی ان کا دین ہے اور وہی ان کی شریعت ہے۔ لیکن معاف کرنا، آج لوگوں کی معلومات کے ذرائع بڑھ چکے ہیں۔ آج کسی عنوان پر بات شروع کریں تو لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ یہ بات میں نے فلاں جگہ پر پڑھی ہے۔ آج نیٹ کی سہولت ہر نوجوان کے پاس ہے، کمپیوٹر، بڑی سے بڑی لائبریری ایک پرزے کے اندر جمع ہے اور وہ منٹوں میں اسے دیکھ لیتے ہیں، اس لیے میں اور آپ مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لیں کہ لوگوں کی معلومات کا انحصار اب صرف میری خطابت پر نہیں بلکہ خارجی ذرائع پر ہے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ مسجد درس گاہ ہے، علم کا مرکز ہے، خطیب اور امام کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی اس دائرے میں بھرپور رہنمائی کریں۔ مسجد باہمی ملاقات اور رابطے کا ادارہ ہے، امام یہاں کن کن طریقوں سے لوگوں سے رابطہ کرے، کیسے لوگوں کو جوڑے، یہ ان کی ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کیا ذمہ داریاں ہیں، میرے خیال میں ان مشکلات کو تفصیل کے ساتھ لانا ضروری نہیں۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا عبدالرؤف فاروقی (مہتمم جامعہ اسلامیہ، کامونکی)

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

محترم علماء کرام اور میری تمام برادری کے دوستو! آپ حضرات نے آج کے موضوع کی مناسبت سے بڑی فکر انگیز گفتگو علماء کرام سے سنی ہے۔ یہ بہت طویل موضوع ہے اور اس پر تقاریر نہیں، کئی دنوں تک بیٹھ کر تبادلہ خیال ہونا چاہیے۔ مشکلات سامنے آئیں، مسائل سامنے آئیں، ذمہ داریوں پر گفتگو ہو، مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی تجاویز سامنے لائی جائیں۔

۱۹۷۳ء میں، میں باقاعدہ امامت کے مصلے پر کھڑا ہوا۔ جس مسجد میں مجھے امامت کی ذمہ داریاں سونپی گئی، اس مسجد میں، میں واحد خدمت کرنے والا تھا یعنی غسل خانہ کی صفائی، وضو کی جگہ کو دھونا، موٹر چلانا، پانی کا انتظام کرنا، یہ سب میری ذمہ داریاں تھیں۔ پہلے پوری مسجد کی صفائی کرنا، صفیں درست کرنا، اذان کے ٹائم پر اذان دینا، پھر قراقلی ٹوپی پہن کر منبر پر کھڑے ہو جانا یا بیٹھ جانا، میری ابتدا یہاں سے ہوئی۔ ایک ڈیرے اور گاؤں کا امام ہے، اس کے مسائل کیا ہیں۔ ایک قصبے اور شہر کا امام ہے، اس کے مسائل کیا ہیں۔ پھر شہروں اور قصبوں میں ایک شخصی مسجد ہے کہ ایک شخص نے بنائی ہے، وہی اس کا منتظم ہے، وہی اس کا متولی ہے، اسی کا قاعدہ کلیہ چلتا ہے، اس مسجد کے امام کے کیا مسائل ہیں۔ محلے کی مساجد کی منتظمہ ہے، محلے کی کمیٹی بنی ہوتی ہے جس میں کوئی دودھ بیچنے والا، سودی کاروبار کرنے والا، اس طرح کے لوگ اس کمیٹی کے منتظم اور صدر، نائب صدر، خزانچی وغیرہ ہوتے ہیں، وہاں کے امام کے مسائل کیا ہیں۔ پھر اوقاف کی سرکاری مساجد کے ائمہ ہیں، ان کے مسائل ہیں۔ بہت سی قسمیں ہیں اماموں کی۔

میری اپنی رائے یہ ہے کہ ذمہ داریاں تو سب جگہ کی ایک جیسی ہیں۔ ایک بڑے عالم کے پاس شیخ الحدیث کے پاس بہت سے اماموں کے مسائل آتے ہیں۔ یہاں مولانا زاہد الراشدی صاحب تشریف فرما ہیں، ان کے پاس بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سے ائمہ کے کیس، مقدمات آتے رہے، یہ نبھاتے رہے۔ہم وکیل صفائی ہوتے ہیں اماموں کے۔مولوی کی وکالت کرنا، اس کے اوپر لگے ہوئے الزامات کودھونا یہ ہماری فطرت میں شامل ہے۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سیمینار کے انعقاد پر مولانا زاہدالراشدی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں، لیکن سیمینار کی بجائے اگر ایک جرگہ بنایا جاتا اور وہاں پر دیہاتوں کے امہ کوبھی دعوت دی جاتی اور ان سے بھی کہتے کہ تم اپنے مسائل بتاؤ، ہم اپنے بتاتے ہیں۔اس طرح ہم خیالات کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔ وقت کی بہت قلت ہے اور مسائل بہت زیادہ ہیں اور بہت سے مسائل جن سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے، اس پر بہت لمبے عرصے کے لیے گفتگو کی ضرورت ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ الشریعہ اکیڈمی کبھی اس کا بھی اہتمام کرے گی کہ ہم مل کر بیٹھیں گے اور آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔مسائل ہر کسی کے مختلف ہیں۔ہم جیسے لوگ مسائل میں گھرے ہوئے ہیں اور مولانا سمیع اللہ فراز جیسے لوگ ہم پر طنز کر سکتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کر سکے، وہ نہیں کر سکے۔ جب ہم سب مل کر بیٹھیں گے، تبھی ہم لوگ مسائل کو حل کر سکیں گے۔

میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ ذمہ داریوں کا انداز بالکل ایک ہے، امام اور خطیب کی ذمہ داریوں کا دائرہ متعین ہے کیونکہ امام اور خطیب روحانی باپ ہوتا ہے اپنے تمام متوسلین کا، اپنے نمازیوں کا اور اسے اپنے نمازیوں، مقتدیوں اور اپنے سامنے بیٹھ کر سننے والے لوگوں کے ساتھ بالکل باپ جیسی شفقت سے پیش آنا چاہیے۔ آپ دیکھیں، عیسائی اپنے مذہبی رہنما کو فادر کہتے ہیں یا پادری کہتے ہیں۔ پدر بھی فارسی میں باپ کو کہتے ہیں۔ جیسے وہ پادری نہ صرف اپنے مذہب کے لوگوں کے ساتھ بلکہ ہمارے مذہب کے غریب لوگوں، دیہات کے لوگوں اور بہت سے مجبور لوگوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ کرتا ہے، حالانکہ ان کے پاس مذہب کی سچائی نہیں ہے، لیکن وہ پھر بھی اپنے اخلاقی رویے کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک امام اور خطیب کو لوگوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسائل بہت ہیں، ذمہ داری کا دائرہ متعین ہے، لیکن حل ایک ہی ہے کہ ہر امام اور ہر خطیب انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور العلماء ورثۃ الانبیاء کا نمونہ بن جائے۔ دین نبی کریم کی وراثت ہے، انبیا کی وراثت ہے اور دین صرف عبادات کے شعبے کا نام نہیں ہے۔ امور سیاست، سیاست مدنی جسے ہم سیاسی امور کہتے ہیں جس سے ہم نے اپنے آپ کو بے دخل کر لیا ہے، یہ سب سردار دو عالم لی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے اور امام اور خطیب کو جہاں عبادت اور سیاست دونوں میدانوں کا شہسوار ہونا چاہیے، وہاں خشیت الٰہی سے اس کا دل بھرا ہوا ہونا چاہیے۔ حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب تشریف فرما ہیں، آپ حضرات اختلاف کر سکتے ہیں، آج سے پچیس تیس سال پہلے جب دیوبندی علما سیاست سے وابستہ تھے، ہر مسجد کا امام اور خطیب سیاسی ہوتا تھا۔ جمعیت علما اسلام اوپر سے لے کر نیچے تک مضبوط تھی۔ اس وقت مسائل کم ہوتے تھے۔ جس دن ہم نے پسپائی اختیار کی ہے، مسجدوں کا انتظام مقامی کمیٹیوں کے سپرد کر دیا ہے جس میں ایک بریلوی ہوتا ہے، ایک غیر مقلد ہوتا ہے، ایک جماعت اسلامی کا، ایک پیپلز پارٹی کا آدمی ہوتا ہے، ایک تحریک انصاف کا ہوتا ہے، یوں مختلف خیالات کے لوگوں کا مرکب یعنی مغلوبہ سا ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ نتیجہ تو بہر حال اقل اور ارذل کے تابع ہوتا ہے اور یہ کمیٹیاں ایک سازش کے تحت بنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ جمعیت علماء اسلام نے، دیوبندی مولوی نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد بہت سی قوتوں کو شکست دی اور اس بری طرح دی کہ وہ آج تک اپنے زخم چاٹ رہے ہیں۔ سازش تیار ہوئی کہ اس ملا کو کسی طرح پابند کر دیا جائے اور پابند کرنے کے لیے یہ سارا نظام بنایا گیا۔ آج ہم خشیت الٰہی سے اتقوا الله حق تقاته (اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے) اور ڈرنے کا حق کیا ہے کہ صرف اللہ سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور ہمارا حق ہے تنقید کرنا حکمرانوں پر، ہمارا حق ہے تعاونوا علی البر و التقوی کی بنیاد پر سیاست کرنا اور کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس ملک پر جو اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اے این پی کو حق نہیں ہے، پیپلز پارٹی کو، مسلم لیگ ن کو حق نہیں ہے کہ وہ سیاست کرے اس لیے کہ قرارداد پاکستان کی بنیاد پر اس کا قبلہ متعین ہے۔ اسلام اس کا ریاستی مذہب ہے تو کون حق دار ہے کہ وہ سیاست کر سکے؟ وہ صرف ملا اور مولوی اور پیغمبر دو عالم کا وارث ہے۔ اگر ہم اس پر آ جائیں تو مسائل ایک دم نہ سہی، ایک ایک کر کے حل ہوتے جائیں گے۔ میں اپنی گفتگو کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کرتا ہوں کہ ذمہ داریاں سب کی متعین ہیں، دائرہ واضح ہے، پیغمبر دو عالم اور صحابہ کرام ہمارے سامنے نمونہ ہیں۔ ہم سب اللہ سے ڈرنے کا نمونہ بن جائیں تو ان شاء اللہ مسائل حل ہو جائیں گے، مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام پر واپس آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا حافظ گلزار احمد آزاد (جمعیت اہل سنت، گوجرانوالہ)

عنوان کے حوالے سے یہ پروگرام ایک الگ اور منفرد سا پروگرام سے ہے۔ عموماً ہمارے ہاں اس قسم کے موضوعات پر پروگرام نہیں ہوتے۔ ذمہ داریوں کے حوالے سے پہلی نشست میں، میں نے اور آپ نے بہت سی کام کی باتیں سنی ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے اور جن سے بچنا ہے، ان سے بچنے کی توفیق دے۔ علماء کی ذمہ داریاں معاشرے کے حوالے سے، اسلامی سوسائٹی کے حوالے سے، خطابت کے حوالے سے، مسجد کے حوالے سے ہم نے پوری کرنی ہیں۔ علماء کے مسائل بھی بے پناہ ہیں۔ ایک ایک مسئلہ آپ دیکھیں کہ اس میں سے کتنے مسائل نکلتے ہیں۔ کیا کیا مجبوریاں اور دشواریاں ہیں، آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ان مسائل کو یہاں بیان بھی کیا گیا ہے، آگے ان کا حل تو وہ دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا کہ ائمہ کے مسائل ہم کس حد تک حل کر پائیں گے یا واقعتاً ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمارے پاس وسائل ہیں یا ہم سنجیدہ کوشش کرنا چاہ رہے ہیں۔ ابھی تو اس بات کا بھی یقین نہیں آ رہا، کیوں کہ مختلف عنوانات پر پروگرام ہوتے ہیں، سیمینار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی نیا پروگرام تھا بڑا اچھا ہوا، لیکن عملی پیش رفت ہوتی نظر نہیں آتی۔ ایک مزید رکاوٹ ہے کہ ہمارے ہاں ایسے منفی طرز عمل پر کسی کو توڑنے کے لیے پروگرام ہوتے ہیں، لیکن مثبت اور معیاری عنوانات پر معاشرے کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے میں الشریعہ اکادمی کے اراکین کو مبارکباد اور خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ ایسے پروگرام کے لیے بہت کوشش اور جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ جیسے جیسے آگے چلتے جائیں گے، پیش رفت ہوتی جائے گی۔

ذمہ داریوں کے حوالے سے میں مختصر سا بیان کروں گا کیوں کہ اتنا وقت نہیں ہے۔ ۷۰ء سے پہلے سے میں گوجرانوالہ میں ہوں اور جمعیت اہل سنت والجماعت سے منسلک ہوں اور یہ علما سے تعلق کی وجہ سے ہے۔ میں آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے اعتماد سے کہتا ہوں کہ ہمارے عام ائمہ کرام اور خطبا میں محلوں کے اندر جن کو ہم عام زبان میں چھوٹے مولوی کہتے ہیں، جتنی قربانی ہمارے مسلک کے علما دیتے ہیں، آپ کو اتنی قربانی کہیں نہیں ملے گی۔ جتنے مسائل کے اندر رہ کر وہ دین کا یہ سلسلہ چلاتے ہیں، آپ کو مثال ملنا مشکل ہوگا۔ جوں جوں آپ ان پر غور کرتے جائیں گے، آپ کو مسائل کھلتے ہوئے نظر آئیں گے۔ وجہ کیا ہے کہ تین ہزار روپے امام صاحب لے رہے ہیں، اس کے آٹھ بچے ہیں، دو میاں بیوی ہیں، والدین بھی آ گئے، وہ بھی ان کے پاس ہیں۔ اب بتائیں، یہ بجٹ کیسے بنایا جائے گا؟ ۳۵۰۰ میں یہ مہینہ کیسے چلائے گا؟ ایک آدمی کا ناشتہ نہیں چلتا، لیکن یہ لے کر پھر کام کر رہے ہیں اور کس طرح کام کر رہے ہیں، یہ وہ جانتے ہیں یا ان کا اللہ جانتا ہے۔ کیونکہ ان کے ذہن کے اندر پیشہ نہیں، مشن ہے اور وہ یہ مشن لے کر چلتے ہیں۔ ہمارے اکابر کا بھی یہ یہی ورثہ تھا کہ ایک جگہ بیٹھ کر بھوکے پیاسے رہو، لیکن نئی نسل تک ورثہ پہنچا دو۔

یہاں وزیر آباد میں واقعہ پیش آیا کہ ایک پڑھی لکھی خاتون نے ایک قادیانی سے نکاح کر لیا۔ یہاں سے سب علما گاڑیاں بھر کر گئے۔ یہاں کی انتظامیہ سے بھی بات ہوئی اور وہاں کی انتظامیہ سے بھی بات ہوئی، لیکن میں جاتے ہوئے راستے میں یہ سوچ رہا تھا کہ قادیانیوں کے خلاف بچے بچے کے دل میں نفرت ہے، پھر اس خاتون نے جو کافی پڑھی لکھی ہے، اس نے مرزائی کے ساتھ کیوں نکاح کر لیا؟ جب ہم وہاں پہنچے تو مجھے پتہ چلا کہ اس پورے گاؤں میں ایک بھی مسجد علماء دیوبند کی نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اگر ہمارا ایک چھوٹا سا ورکر بھی یہاں اصلاح کا کام کرتا تو یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ اور کچھ ایسے علما ہمارے ضلع کے جوان پڑھ تھے، سادہ قرآن پاک پڑھا ہوا تھا، علاقہ کے اندر انہوں نے کام کیا۔ وہ اردو مطالعہ کرتے رہے اور علما سے جڑے رہے، پورے علاقے کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ایک گاؤں نہیں، کئی گاؤں کے اندر یہ اثر پھیلتا چلا گیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اپنے آپ کو بنانا چاہیے، جب اپنے آپ کو بنا لیں گے تو پورا معاشرہ بن جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام بھی بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب جو آدمی آئے گا، وہ جنتی ہوگا۔ صحابہ کرام بہت متجسس ہوئے کہ وہ کون آدمی ہے؟ اتنے میں ایک آدمی آیا۔ تازہ وضو کیے ہوئے تھا، بائیں ہاتھ میں جوتیاں پکڑے ہوئے ہے، سلام کیا اور آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن پھر مجلس جمی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب جو آدمی آئے گا، وہ جنتی ہے۔ صحابہ کرام پھر انتظار میں، جستجو میں۔ وہی آدمی اسی حالت میں آیا۔ تیسرے دن پھر اسی طرح آپ نے فرمایا کہ ابھی جو آدمی آئے گا، وہ جنتی ہوگا۔ وہ آیا، اسی طرح سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ آج میں اس کے پیچھے جاتا ہوں، پتہ کرتا ہوں کہ یہ کون سا کام کرتا ہے کہ اس کے بارے میں آقا نے فرمایا کہ یہ جنتی ہے۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے گیا۔ جب ان کے گھر کے پاس گئے تو اس آدمی نے محسوس کیا کہ میرے پیچھے کوئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو العاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین دن اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ مہربانی فرما کر مجھے اپنے گھر رہنے کی اجازت دو۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ ٹھیک ہے، رہ لو۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں رات کو جاگتا رہا کہ یہ آدمی کیا کرتا ہے۔ اس آدمی نے عشاء کی نماز پڑھی، تھوڑا بہت پڑھا اور سو گیا، تہجد کے لیے اٹھا ہی نہیں، فجر کی نماز کے لیے اٹھا۔ میں تین دن رہا، لیکن ان تین دنوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے کوئی منفرد کام نہیں کیا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ ایسا کیا کام کرتا ہے کہ آقا نے فرمایا کہ یہ جنتی ہے۔ میں نے اس آدمی کے سامنے ساری صورت حال بیان کی تو اس نے کہا کہ سارا معاملہ تمہارے سامنے ہے۔ میں بڑا مایوس ہوا، واپس جانے لگا تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے بندے، میں کوئی اور کام تو نہیں کرتا البتہ میرے دل میں کسی آدمی کے لیے کینہ یا بغض نہیں ہے۔ شاید یہ عمل ہی خدا پاک کو پسند آ گیا۔ حضرت عبداللہؓ کہنے لگے، میری آنکھیں کھل گئیں کہ واقعتاً یہی وہ عمل ہوگا کہ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنت کی بشارت سنادی ہے۔

یہ تو عام آدمی کے بارے میں ہے۔ اگر ہم علما کے بارے میں سوء ظن رکھنا شروع کر دیں، حسد اور کینہ شروع کر دیں، ایک جماعت دوسری جماعت سے حسد شروع کر دے تو بہتری آ سکتی ہے؟ سب سے پہلے اگر ہم اپنے سینے کو صاف کریں، سب سے محبت کریں، جو سیاسی علما ہیں، جو جہاد کا کام کرنے والے ہیں، جو تبلیغ کا کام کرنے والے ہیں، ان کو اپنے گھر کا فرد سمجھیں، ان کو دل میں جگہ دیں تو پھر ان شاء اللہ اس کارواں کو کوئی روک نہیں سکتا۔

مساجد کی کمیٹیوں کے بارے میں بات ہوئی۔ ہم بھی کمیٹیوں کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ مولانا راشدی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر امام طاقتور ہو تو کمیٹی بھاگ جاتی ہے اور اگر کمیٹی طاقتور ہو تو امام بھاگ جاتا ہے۔ مولانا کا تجربہ تو یہ ہے۔ میں چالیس سال سے امام ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ امام طاقتور ہے۔ مولانا شمس الدین صاحب کا جنازہ تھا۔ مولانا اعظم صاحب اہل حدیث مکتب فکر کے بڑے عالم ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ یار تم اچھے ہو، ہمیں تو کمیٹیاں ہی چلنے نہیں دیتیں۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ ہے کہ دیوبندی کمیٹیوں کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا بیتتی ہے۔ لیکن جو مخلص ہو کر چلے، پیشہ نہ سمجھے، مشن سمجھ کر چلے گا، ایک دن آئے گا کہ کمیٹیاں ماتحت ہو جائیں گی ان شاء اللہ۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ فیصلہ کر لو کہ کوئی مطالبہ نہیں کرنا، مجھے جو دینا ہے اللہ نے دینا ہے۔ کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کرنا اور دوسرا یہ فیصلہ کر لیں کہ یہ سمجھیں کہ مجھے حاجی صاحب نے رکھا ہوا ہے یا صدر صاحب نے رکھا ہوا ہے، بلکہ یہ سمجھیں کہ مجھے اللہ نے رکھا ہوا ہے۔ جب یہ فیصلہ کر لیں گے تو ان شاء اللہ، اللہ راہیں کھول دے گا۔

میرا چھوٹا سا محلّہ ہے، وہاں چھوٹی سے مسجد ہے۔ اس مسجد میں، میں نے تقریر کی علامہ اقبال کے خلاف۔ اس وقت میں طالب علم تھا اور نوائے وقت کے فرنٹ پیج پر خبر آتی تھی مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلاف کہ یہ پاکستان کے لیے خطرہ ہیں۔ مجھے غصہ آ گیا، میں نے جمعہ کا سارا خطبہ علامہ اقبال کے خلاف کیا کہ تم اس کی بات کرتے ہو کہ جس کے منہ پر ڈاڑھی بھی نہیں تھی۔ میں نے بہت کچھ کہہ دیا، لیکن آخر میں اللہ کے فضل سے میں نے کہا کہ علامہ اقبال اگر بنا ہے تو احمد علی لاہوریؒ کی نظر سے بنا ہے، علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی نظر سے بنا ہے، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مجلس سے بنا ہے، اس وجہ سے ہم اس کا احترام کرتے ہیں۔ جمعہ پڑھانے کے بعد ہمارے سارے دیوبندی حضرات آ گئے اور کہنے لگے کہ آپ صبح صبح چلے جائیں کہ سارا محلّہ آپ کے خلاف ہو گیا ہے، گولیاں چل جائیں گی۔ میں نے کہا کہ صبح کیا جانا ہے، میں ابھی جاتا ہوں۔ وہاں سے نکلا تو نصرت العلوم چلا گیا۔ اس وقت میں وہاں پر زیر تعلیم تھا۔ حضرات! تین دن گزرے تھے، اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ جو میرے مخالف تھے، وہ آ گئے اور کہنے لگے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک حافظ صاحب نہیں آئیں گے، نہ اذان ہوگی نہ نماز ہوگی۔ آپ کی مہربانی واپس چلیں۔ میں نے کہا کہ آپ صوفی عبدالحمید سواتی صاحب کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ ؤ، وہ جو فیصلہ کریں گے میں ماننے کو تیار ہوں۔ چنانچہ وہ صوفی صاحب کے پاس آئے۔ صوفی صاحب نے بات سنی اور فرمانے لگے کہ جاؤ بیٹا، جا کر خدمت کرو۔ یہ سب کچھ میرا کمال نہیں تھا، یہ میں نے اپنے اکابر کے حوالے سے گفتگو کی تھی۔ اگر آج ہم سب اپنا ذہن مثبت بنا کر کام کریں گے تو بہت سے مسائل کا حل ہو سکتا ہے۔

میں آخر میں بس دو باتیں کہتا ہوں کہ ہماری جتنی بھی جماعتیں ہیں، فکری ہیں، مذہبی ہیں، سیاسی ہیں، سماجی ہیں، تبلیغی ہیں، سب کا احترام کرو، سب کا ادب کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کو حاضر ناظر کر کے اپنے اکابر کے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کرو۔ اللہ ہم سب پر کرم فرمائے گا۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب (حق چار یار اکیڈمی، گجرات)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

معزز علماء کرام، قابل صد احترام بزرگو اور دوستو!

سب سے پہلے تو میں الشریعہ اکادمی کے منتظمین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ آج کی عصری و سماجی ضروریات کے حوالے سے مختلف قسم کے سیمینار منعقد کرتے ہیں اور یہ آج کا پروگرام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مجھے جو موضوع دیا گیا ہے، وہ ہے ''خطبہ جمعہ کے لیے موضوع کا انتخاب اور اس کی تیاری''۔ مجھ سے پہلے میرے دوست مولانا گلزار احمد آزاد صاحب مساجد کی کمیٹیوں اور ائمہ وعلما کی مشکلات پر بات کر رہے تھے۔ اس حوالے سے والد محترم امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ دو باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ مسجد کی کمیٹی کے اندر موجود سرمایہ دار چاہے اس کی پیشانی پر تہجد کے اور سجدوں کے نشانات اور محراب پڑ جائے، وہ مولوی کے معاملے میں سرمایہ دار ہی ہے۔ دوسری بات حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ رب العزت نے مولوی کو لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اور ہر مسجد میں ایک بابا مولوی کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جو مولوی اللہ کی رضا کے لیے اس بابے کو برداشت کر جائے اور اپنے مشن کو اس کی وجہ سے ترک نہ کرے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ محض اللہ کی رضا کے لیے اس بابے کو برداشت کر جائے۔

اب میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔ خطابت ایک فن ہے جس کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے اور اس فن نے معاشرے کے اندر انفرادی اور اجتماعی اصلاح میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس فن سے تحریکیں اٹھی ہیں، تحریکوں کو عروج ملا ہے، تحریکیں کامیاب ہوئی ہیں۔ لیکن یہ فن اس وقت تک اہمیت کا حامل بھی رہا ہے، اس کا ایک کردار بھی رہا ہے جب تک یہ فن سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ جب یہ فن ایک سوسائٹی کی بجائے ایک خطیب کی ضرورت بن گیا، اس وقت سے یہ فن اپنی اہمیت کھو گیا ہے۔ یہ فن دراصل سوسائٹی کی ضرورت کے لیے ہے، اس نے ہر دور کے اندر سوسائٹی کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کیے ہیں۔ آج ہمیں یہ شکوہ ہے کہ جمعہ کے موقع پر ہماری مساجد کے اندر نفری کم کیوں ہو گئی ہے یا جو نفری ہے، وہ تقریر کے ٹائم کی بجائے خطبے کے ٹائم پر یا نماز کے ٹائم پر کیوں آتی ہے۔ یہ شکوہ تو ہم کرتے ہیں، لیکن کیا کبھی ہم نے یہ سوچا منبر پر بیٹھ کر ہم ان لوگوں کی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں؟ سوسائٹی کے جو مسائل ہیں، سماج کی جو ضروریات ہیں، کیا ہم منبر پر بیٹھ کر ان ضروریات کو پورا کر رہے ہیں؟ آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطابت صرف اورصرف نقالی اور رٹے کا نام رہ گئی ہے اور میں بطور لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے علاقے کے بڑے ممتاز خطیب ہیں، تقریر فرما رہے تھے اور میں ان کی تقریر سے اندازہ کر رہا تھا کہ یہ تقریر حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ کی ہے۔ تقریر میں فرما رہے تھے کہ میں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ملاقات کی۔ تقریر کے بعد کھانے پہ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کا سن ولادت کیا ہے؟ فرمانے لگے ۱۹۷۵ء۔ میں نے کہا کہ حضرت جس شخصیت کی ملاقات کے بارے میں آپ تقریر میں فرما رہے تھے، وہ اس سے پندرہ یا سولہ سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ یعنی کتاب کے اندر ایسے ہی لکھا تھا جس طرح وہ بیان فرما رہے تھے۔ یعنی رٹے کے اندر بھی اگر آدمی عقل سے کام لے تو کام چل سکتا ہے۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں خطابت نقالی اور رٹے کا نام رہ گیا ہے۔ اگر اپنے دور کا ایک خطیب، اس کا انداز یہ ہے کہ وہ کرسی پر پاؤں رکھ کر تقریر کرتا ہے تو ہم اس کی بھی نقالی کریں گے۔ تقریر بھی اسی کی نقل کریں گے، انداز بھی اسی کا نقل کریں گے۔ یہ چیز ہم میں آ گئی ہے کہ ہم نے نقالی اور رٹا خطابت کے اندر گھسیڑ دیا ہے۔ اس وقت سے خطابت اپنی اہمیت کھو چکی ہے۔

اگر ہم اس چیز کو محسوس کریں کہ سوسائٹی کی ضرورت ہم نے پوری کرنی ہے اور سوسائٹی کے تقاضے کیا ہیں تو ہمیں سوسائٹی کے اندر رہنا ہوگا، سوسائٹی سے روابط رکھنے ہوں گے، سوسائٹی سے ان کی مشکلات اور ضروریات معلوم کرنی ہوں گی۔ ہمارے ہاں حالت کیا ہے کہ گلیوں میں یوم یکجہتی کشمیر منایا جا رہا ہوتا ہے اور میں مسجد میں بیٹھ کر بریلویوں کا دھڑلہ، اہل حدیثوں کا دھڑلہ نکال رہا ہوتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی ضرورت نہیں، اپنے مقام پر اس کی بھی ضرورت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آج پوری کی پوری قوم کراچی سے لے کر خیبر تک جس عنوان پر اکٹھی ہو رہی ہے، مجھے اس کے لیے قوم کے اس تقاضے کو بھی پورا کرنا ہے۔ کشمیر کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہے، کشمیر کے ساتھ ہماری ہمدردی کی بنیاد کیا ہے، ان کے ساتھ ہمارا ربط وتعلق کیا ہے۔ ہمیں پبلک کے سامنے اس چیز کا بھی اظہار کرنا ہے، لیکن نہیں۔ مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ۹۰ فیصد سے زائد خطیب سوسائٹی کی ضرورت کا احساس نہیں کرتے اور جب تک ہم سوسائٹی کی ضرورت کا احساس نہیں کریں گے، تب تک ہم صحیح عنوان کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

ہمارے ہاں خطبا کا ایک طبقہ تو وہ ہے جنہوں نے مہینوں کے حساب سے خطبات یاد کر لیے ہیں۔ یہ ربیع الاول کے ہیں، یہ ربیع الثانی کے ہیں، یہ ذوالقعدہ کے ہیں، یہ ذوالحجہ کے ہیں۔ اگلا سال شروع ہوتا ہے پھر وہی ترتیب شروع ہو جاتی ہے کہ پچھلے سال کی تقریر کس کو یاد ہے اور ایک طبقہ وہ ہے کہ جو سیاست کے اندر اس قدر گھس گئے ہیں کہ ان کے لیے ہفتے کی اخبارات کافی ہوتی ہیں۔ ہفتہ کی اخبارات سامنے رکھیں اور جمعہ پڑھا دیا۔ یہ دونوں طرز درست نہیں ہیں۔ ہمیں پبلک کی ضرورت محسوس کر کے موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اس وقت سوسائٹی کے اندر حدود اللہ کا مسئلہ چل رہا ہے۔ ہم نے پبلک کو سمجھانا ہے کہ حدود اللہ کیا ہیں، ان کا حکم کیا ہے۔ اگر سوسائٹی کے اندر ناموس رسالت کا مسئلہ چل رہا ہے، تو ہمیں پبلک کو سمجھانا ہے کہ اس کی اہمیت کیا ہے۔ اگر سوسائٹی کے اندر عورتوں کا دن، والدین کا دن، بچوں کا دن، مزدوری کا دن چل رہا ہے تو ہمیں پبلک کو اسلام کے حوالے سے ان دنوں کی اہمیت کو بتانا ہے۔ لیکن اس طرف ہماری توجہ نہیں ہے۔ ہماری سوسائٹی کے اندر نفرتیں بڑھتی جا رہی ہیں، ہمیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہم سوسائٹی کی ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفرتوں کو کیسے دور کریں۔ ہمارا پورے کا پورا خاندانی نظام بگڑ رہا ہے۔ والدین اور اولاد کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی ہو رہی ہے، لیکن کیا کبھی ہم نے محسوس کیا کہ ہم منبر پر بیٹھ کر بھی ان نفرتوں کو دور کرنے کے لیے کوئی کردار ادا کریں؟ جب تک ہم ان ضروریات کو محسوس نہیں کرتے اس وقت تک ہم اپنا فرض ادا نہیں کر سکیں گے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا یوم وفات آتا ہے، ضرورت ہے کہ لوگوں کو بتانا چاہیے، لیکن کیا ابوبکر صدیق ؓ کا مقام اتنا ہی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاونت کی، ان کے ساتھ ہجرت کی، تمام جہادوں میں شریک رہے؟ کیا یہ بتانا ہماری ذمہ داری نہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کا نظام کیسے چلایا؟ حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت کو بھی ایک ہی دائرے میں بند کر دیا ہے کہ کیسے انہوں نے اسلام قبول کیا، کیسے ہجرت کی، کیسے مدینہ منورہ میں رہے، کیسے شہید ہو گئے۔ درمیان میں جو ان کا خلافت کا دور ہے، اپنی خلافت کو چلانے کے لیے ان کی سیاست کا نظام کیا تھا؟ عدالت کا نظام کیا تھا؟ انہوں نے روم وایران کی پرانی تہذیبوں کے اندر سے کیسے ایک نئی تہذیب متعارف کرائی۔ کیا یہ سب بتانا ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ ہم جب شخصیات کے حوالے سے بھی دیکھتے ہیں تو ہمارے عنوانات شخصیت کے ایک مخصوص حصے تک محدود ہوتے ہیں۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب تک ہم سوسائٹی کی ضرورت اور سوسائٹی کے مسائل کو نہیں سمجھتے، اس وقت تک ہمارے لیے موضوع کا تعین اور اس تعین کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوگا۔

دوسری چیز ہے ''موضوع کی تیاری''۔ میں انتہائی افسوس کے ساتھ عرض کروں گا کہ ہمارے ہاں مارکیٹ میں بکنے والے خطبات نے ہمارے نوجوانوں کے مطالعے کا ذوق تباہ وبرباد کر دیا ہے۔ اپنی پسند کے ایک خطیب کے خطبات لیے، اس کو دیکھا اور جمعہ پڑھا دیا۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ خطیب کس ماحول میں بات کر رہا تھا۔ وہ تیس سال پہلے کے ماحول میں بات کر رہا تھا اور میں تیس سال بعد جب کہ ماحول بہت حد تک بدل چکا ہے۔ میں ماحول کی پروا کیے بغیر بیس، پچیس سال پہلے کے ماحول میں کی گئی تقریریں رٹ کر جمعہ پڑھا رہا ہوں۔ میرا ۱۹۸۵ء سے اپنا طرز یہ رہا ہے اور اب تک یہی معمول ہے کہ میں جمعرات کا دن باہر نہیں دیتا۔ ایک موضوع کا انتخاب کرتا ہوں۔ عشاء کی نماز سے لے کر فجر تک میں جمعہ کی تیاری کرتا ہوں۔ سب سے پہلے میں موضوع کے مطابق آیات تلاش کرتا ہوں، پھر ان آیات کے لیے میرے پاس جو دستیاب تفاسیر ہیں، انہیں دیکھتا ہوں۔ پھر اس کے مطابق احادیث دیکھتا ہوں، ان احادیث کی شروحات نکالتا ہوں، پھر میں اپنے مضمون کو ترتیب دیتا ہوں۔ ہمارے موضوع کا ایک پہلو دین کے حوالے سے ہے۔ اگر ہم نے اپنے اندر ذوق مطالعہ کو برقرار رکھا، جسے برقرار رکھنا چاہیے اور صرف مطبوعہ خطبات پر انحصار نہیں کیا تو پھر اس موضوع کے متعلق قرآن پاک کی آیات، ضروری نہیں کئی تفاسیر ہوں، اگر دو تفاسیر بھی ہیں، یا ایک بھی ہے جیسے معارف القرآن ہے، جیسے تفسیر عثمانی ہے، اگر ایک تفسیر سے بھی ان آیات کی تشریح پڑھ کر ان سے متعلق احادیث اور جو ان کی شروحات دستیاب ہیں، ان کو دیکھ کر اگر تیاری کی جائے تو میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس سے ذوق مطالعہ بھی بڑھے گا اور ان شاء اللہ علم بھی بڑھے گا۔ اس کے علاوہ یہ کہ یہاں اگر کچھ سٹور ہوگا عقل اسی کے مطابق سپلائی کرے گی۔ یہاں اگر کچھ سٹور نہیں ہے تو عقل کے آگے جو کچھ انسان بولتا چلا جائے گا۔ ہمیں یہاں موضوع سے متعلق کچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سٹور کرنا ہے، پوری توجہ کے ساتھ اس کو ذہن میں بٹھانا ہے۔

حضرت شیخؒ فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے، ۱۹۷۷ء کی تحریک مصطفیٰ کے دوران شیخ نے میری تقریر سنی اور مجھے گھر بلا کر بڑے غصے سے کہا کہ کیا کر رہے تھے تم؟ یہ تقریر تھی؟ تقریر آستین چڑھانے کا نام نہیں، تقریر منہ سے تھوک نکالنے کا نام نہیں ہے۔ تقریر نام ہے دو چیزوں کا۔ ایک یہ کہ جو تم کہہ رہے ہو، اس کے بارے میں تمہارا دل مطمئن ہے اور جو تم کہہ رہے ہو، وہ لوگوں کو سمجھ آ رہا ہے۔ اگر یہ دو چیزیں ہیں تو تقریر تقریر ہے۔ تو موضوع کی تیاری کے لیے ضروری ہے کہ جو موضوع منتخب کیا ہے، اس موضوع کے حوالے سے آیات قرآنیہ، ان کی تفاسیر، احادیث اور ان کی شروحات دیکھی جائیں۔ اگر ان کے اندر فقہی مسائل ہیں تو ان مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے۔ اگر بزرگوں کے مسائل بھی اس موضوع کے مطابق مل جائیں تو نور علیٰ نور ہے۔ اس کے اندر اور جان پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کا ایک پہلو ہے جو سماجی بھی ہو سکتا ہے، سیاسی بھی ہو سکتا ہے، تاریخی بھی ہو سکتا ہے۔ موضوع کے اندر جو سیاسی، سماجی پہلو ہیں، ان کے لیے بھی ہمیں قابل اعتماد مواد حاصل کرنا ہے اور وہ قابل اعتماد ذریعہ تلاش کرنا ہے جس سے مجھے ٹھیک مواد مل جائے۔ میں اس مقام پر یہ ضرور کہوں گا کہ اس کے لیے علما کا میڈیا کے ساتھ وابستہ رہنا بہت ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ تعلق رکھو، لیکن اب ہمیں روز نامہ اسلام کے خول سے باہر نکلنا چاہیے اور اس خول سے باہر نکل کر آگے بڑھنا ہے۔ ہمیں صرف اسی پر انحصار نہیں کرنا کہ صبح روز نامہ اسلام پڑھ لیا، بس کافی ہے۔ نہیں بلکہ ہمیں میڈیا کے ساتھ وابستہ ہونا ہے اور میڈیا سے معلومات حاصل کر کے ہم نے اس موضوع پر جو دینی پہلو کے ساتھ دوسرا پہلو ہے، خواہ وہ سماجی ہے یا سیاسی ہے، اس کے لیے معلومات حاصل کرنی ہیں۔ اگر ہم ان چیزوں کا خیال رکھ سکیں تو میرا خیال ہے کہ ایک خطیب منبر پر بیٹھ کر اپنی منصبی ذمہ داری کو پوری طرح نبھا سکتا ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(جاری)

اسلام اور انسانی حقوق

اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں

محاضرات: مولانا زاہد الراشدی

ضبط و تحریر: ناصر الدین خان عامر

[صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: ۶۵ روپے]

ناشر: الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ

© rasailojaraid.com